

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

امتحانی مشق نمبر 1

(پیش 14 تا 4)

- (20) سوال 1- ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے نظریہ زبان پر بحث کریں۔
- (20) سوال 2- ولی دکنی کی غزل کی نمایاں خصوصیات بیان کریں۔
- (20) سوال 3- شاعری ہند کے اہم ایجادوں میں ایک شاعر کا تعارف لکھیں۔
- (20) سوال 4- آبرو کے ہاں ذہنی الفاظ کا استعمال عام ہے۔ دلائل کے ساتھ بحث کریں۔
- (20) سوال 5- میر کی شاعری میں عشق کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ شعری حوالوں کے ساتھ بحث کریں۔

ANS 01

25 دسمبر 1905 (کہیں لکھا ہے زور صاحب کی تاریخ پیدائش 6، دسمبر 1904 کی ہے)، ڈاکٹر زور ایک شاعر، افسانہ نگار، نقاد، تحقیق ہی نہیں بلکہ عالم، لسانی تقدیمی نظریہ دان ادبی مورخ، تاریخ دان اور معاشرتی اصلاح کار بھی تھے۔ بہ حیثیت ادبی مورخ ان کے کارنامے قابل قدر اور گراں بہایں اور یہ کارنامے اردو کی ادبی تاریخ کا ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔ ان کے ان کارناموں کو اردو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ (۱) تاریخ ادب اردو، (۲) دکنی ادب کی تاریخ، (۳) داستان ادب حیدر آباد اور (۴) اردو شہ پارے۔ حیدر آباد، بھارت میں ان کی ولادت ہوئی۔ ابتدئی تعلیم مدرسہ دارالعلوم سٹی اسکول میں ہوئی۔ پھر 1927 میں عثمانیہ کالج سے "لسانی سائنس" میں ایم۔ اے کی سند حاصل کی۔ ان کی ادبی اور علمی زبانت کو دیکھتے ہوئے حیدر آباد کے فرمائز وانے انھیں وظیفہ دے کر 1929 میں لندن یونیورسٹی پر ایچ ڈی کرنے کے لیے بھجوایا۔ جہاں انھوں نے "آریائی زبانوں" پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا۔ یہاں انھیں بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ماہر لسانیات کی سر پرستی نصیب ہوئی۔ اسکول آف اورینگل اسٹڈیز لندن کے پروفیسر آر۔ ایل۔ ٹرنر اور ہندوستانی زبان کے ماہر گر اہم بیلی نے زور صاحب کی علمی اور تحقیقی فطانت کو دیکھتے ہوئے۔ ان کی تربیت کی اور مفید مشورے دیئے۔ جس کی سبب اردو کی ادبی اور لسانی تقدیم اور تحقیق میں مجھے اسلوب اور مناجہات کے دروازے کھلے۔

1930 میں انھوں نے فرانس میں لسانی تحقیق پر خصوصی تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ ہندوستان واپس آگئے۔ ہندوستان واپس آکر زور صاحب چندر گھاٹ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کے صدر نشین مقرر ہوئے۔ وہ اپنی موت تک کشمیر کی سری نگر یونیورسٹی میں اردو، فارسی کے مطالعوں کے شعبے میں درس و

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

تدویں کے فرائص انجام دیتے رہے۔ انھوں نے اکٹھ (61) کتابیں تصنیف کیں اور ہندوستان کے تعلیم اداروں میں اردو رائج کرنے میں بڑی خدمات سر انجام دی۔ وہ اردو میں ماہر لسانیات کے طور پر معروف ہیں۔ انھوں نے لسانی تحقیق، معاشرتی رواداد نگاری، عالمانہ تنقید کے علاوہ افسانے لکھے اور شاعری بھی کی۔ ان کی شاعری "حب ترنس"۔ "گلزار ابرہیم" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ زور صاحب نے اردو کی ترویج کے لیے "ادبیات اردو" (المعرف ایوان اردو) کی بھی بنیارکھی۔ جس کا مقصود قدیم اردو کے اور علمی ورثے اور پرانے متنوں کو نیا افق فراہم کرنا تھا۔ انھوں نے ابوالکلام آزاد تحقیقی انسٹیوٹ بھی قائم کیا اور ادبی اور علمی جریدہ "سب رس" جاری کیا۔ یہ رسالہ اب بھی جاری ہوتا ہے۔ کراچی سے بھی شاہد حمید مرحوم بھی ایک عرصے تک شمالی ناظم آباد سے "سب رس" نکالتے رہے۔ محی الدین قادری زور کے علمی اور ادبی کارناموں پر خلیق انجمن نے کتاب بھی لکھی ہے۔ "دکن کو بجا طور پر فخر حاصل ہے کہ اردو نظم و نثر دونوں کی باقاعدہ ابتداء اس سر زمین سے ہوئی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اردو کا سب سے پہلا ماہر لسانیات بھی خاک دکن سے اٹھا۔"

(ڈاکٹر غلیق انجمن، "زور ایک ماہر لسانیات" مضمولہ سب رس کراچی، زور نمبر جنوری ۱۹۷۹ء، ص: ۸۹) -
ان کی سب سے معروف کتاب "ہندوستانی لسانیات" ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے "ہندوستانی لسانیات" کے نام سے انگریزی میں بھی ایک کتاب لکھی تھی۔ ہندوستانی فونیکس: یہ کتاب عملی لسانیات میں اہم مقام رکھتی ہے۔ ہندوستانی لسانیات سے متعلق انگریزی میں اپنی نوعیت کی یہ اولین کتاب ہے اس میں زبان کا صوتیاتی تجویز کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جیں نے اسی بنا پر

"زور صاحب کو صرف اردو ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی جملہ زبانوں میں علم زبان کے قافلے کے سالاروں میں شمار کیا۔"

(ڈاکٹر ضیا الدین انصاری، "زور صاحب کی تصانیف کا تعارف" مضمولہ محی الدین قادری زور مرتب خلیق انجمن، ص: ۲۷۱، سنة اشاعت ۱۹۸۹ء) -
اس سے بہ حیثیت ماہر لسانیات ڈاکٹر زور کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ اردو تنقید کے ابتدائی دور میں ایک معتبر نام ہمیں ڈاکٹر زور کا ملتا ہے۔ جن کی تنقید نگاری پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر زور نیادی طور پر سائنسک دبتان تنقید سے وابستہ تھے۔ ڈاکٹر زور ایک مایہ ناز محقق، تجربہ کار مددوں تھے۔ ان کی تحقیقی اور تدوینی کام کی وجہ سے کئی شاعر گوشہ نامی سے نکل کر شہرت کے بام عروج پر پہنچے۔ تحقیق ایک صبر آزمہ اور مشکل کام ہے اس میں جذبے کی لاطافت، ذہنی یکسوئی خیال کی ہم آہنگی کا ہونا نہایت لازمی ہے، تحقیق اپنے موضوع کے ساتھ انصاف چاہتی ہے۔ وہ مواد کو سلیقے سے اکٹھا کرنا، اس کی صحیح جانچ پرستال، چھان بین، تقابل، ردو قدر جیسے مراحل میں باریک بینی و حساسیت چاہتی

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزان، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

ہے۔ یہ تمام اوصاف ڈاکٹر زور میں بہ درجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ اسی لیے ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ اپنے مضمون، "محقق اعظم" میں رقم طراز ہیں

"اگر میں کسی ادبی ادارے سے منسلک ہو تو ڈاکٹر موہن صوف کو محقق اعظم کا خطاب پیش کرتا اس لیے کہ ان میں وہ تمام خوبیاں جمع ہیں جو تحقیق، تدقیق، تعلیم، تلقید کے کاراہم کے

لیے ناگزیر ہیں۔ جیسے (۱) کھون پڑتاں (۲) مواد کی ڈھونڈ بھال کی فطرتِ ایلیت (۳) و سیع و عین مطالعہ اور اساتذہ کی صحبت (۴) موضوع سے ہمدردی اور موافق (۵)

فکر غائزہ کی عادت (۶) شک اور ایمان سے سمجھوتا (۷) تنوع اور تعمق کی لگن (۸) تحلیل و تنسیق کا گر (۹) بے تعصی و بے غلوی (۱۰) حوصلہ، صبر، خود اعتمادی، انکساری

(۱۱) ٹھیک بچی تلی مختصر بات کہنے کی کاوش اور تاکید و تکرار سے خذر (۱۲) حقیقتِ عشق اور دار گیری کا جنوں۔

(ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، "محقق اعظم" مشمولہ سب رس کراچی زور نمبر، ص: ۷۸-۱۹۱۴ء، مدیر خواجہ حمید الدین شاہد)

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے اپنے مضمون میں ڈاکٹر زور کی ان تمام خوبیوں کا ذکر کیا ہے جو ایک اچھے محقق کے لیے ضروری ہیں۔ ان اوصاف کو دیکھ کر موہن سنگھ دیوانہ اپنے مضمون میں ڈاکٹر زور کی ان تمام خوبیوں کا ذکر کیا ہے جو ایک اچھے محقق کے لیے ضروری ہیں۔ ان کا "محقق اعظم" کے عنوان سے مضمون کا لکھنا ہی ڈاکٹر زور کے تحقیقی کارناموں اور اس کی قدر و منزلت کا ثبوت دینا ہے۔ محمد ابرار

الباقي اپنے مضمون میں ان کی کتاب 'روح تقدیم کے متعلق لکھتے ہیں'، "روح تقدیم" کو بیانی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں فن تقدیم کے ارتقا، ادب اور

تقدیم کے باہمی تعلق اور فن تقدیم کے اصول و مبادیات سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے حصے میں دنیا کے مختلف ممالک مثلاً یونان، روما، فرانس اور انگلستان میں تقدیم کے ارتقا

پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ڈاکٹر زور نے تقدیم کی تعریف، ادب میں اس کی اہمیت و ضرورت اور دوسرے احمد مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کے تقدیمی خیالات کا اندازہ ذیلی اقتباس سے کیا جاسکتا ہے :

"تقدیم میں نہ صرف تقریبی پہلو ہوتا ہے بلکہ تخلیقی بھی اس کا کام نہ صرف برائی کی خدمت کرنا ہے بلکہ اچھائیوں کی بھی صحیح طور پر ترجمانی کر کے ان میں ترقی دینا۔"

(ڈاکٹر زور، "روح تقدیم" ص: ۷۸-۱۹۱۴ء، طبع اول)

ڈاکٹر عبادت بریلوی ان کے تقدیمی دلستان کے مسئلک کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

"ڈاکٹر زور نے تقدیم کے لیے جن اصولوں کو ضروری قرار دیا ہے وہ بڑی حد تک سائنسیک ہیں۔ اگر ان کو سامنے رکھ کر تقدیم کی جائے تو زیر نظر تصنیف کے تمام پہلو پڑھنے

والے کے سامنے آسکتے ہیں۔ ان کی عملی تقدیم میں یہ خصوصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔"

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

سال: ۱۹۹۵ء سنبھال: ۳۲۰

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

(ڈاکٹر عبادت بریلوی)، اردو تقدیم کارقا، ص:

تین شاعر: اس کتاب میں ڈاکٹر زور نے میر تقی میر، میر انیس اور ہوریں اسمیت کی ادبی خدمات کا تقدیمی جائزہ لیا ہے۔

جو اہر سخن: مولوی مبین عباسی چریا کوئی نے اردو شاعری کا انتخاب "جو اہر سخن" کے عنوان سے چار جلدیوں میں مرتب کیا تھا۔ ڈاکٹر زور نے اس پر ایک طویل تبصرہ لکھا اور

اسے "جو اہر سخن" کے نام سے ہی کتابی شکل دے دی گئی۔ زور صاحب نے "جو اہر سخن" پر تقدیمی نظر ڈالی ہے اور اس کے فروغز اشتوں کی نشان دہی کی ہے۔ دیا۔ سید

حرمت الاکرام لکھتے ہیں :

"یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ ان کی دوسری تصنیفات و تالیفات سے قطع نظر اگر حیدر آباد اور باقی ماندہ پورے ہندوستان کے مخطوطات ایک دوسرے کے مقابلہ میں رکھ دیے جائیں تو اس میں حیدر آباد سبقت لے جائے گا۔ جس کا سہر ڈاکٹر زور کی ذات واحد کے سر ہے۔"

(سید حرمت الاکرام، ڈاکٹر زور، شخصی اور ادبی زندگی "مشمولہ سب رس کراچی، زور نمبر، ص: ۷۹، جلد ۲، دسمبر جونی ۱۹۷۸ء، مدیر خواجہ حمید الدین شاہد

اس کے علاوہ ان کے دو مضامین، "اردو اور پنجابی" (مطبوعہ نقوش لاہور ۱۹۵۳ء) اور اردو کی ابتدا (مطبوعہ اردوئے ملی لسانیات نمبر جلد سوم ۱۹۶۳ء) ان کا ایک پرمغز

مقالہ "ہندوستان کی گجراتی شاخ" پر ہے جس کو انھوں نے ڈاکٹر جے۔ پلوک کی نگرانی میں قلم بند کیا تھا۔ لسانیات میں اپنی خدمات کی بناء پر ڈاکٹر زور کو اردو کا سب سے پہلا

با قاعدہ ماہر لسانیات تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی مشہور تصنیف میں، "طلسمات خیال"، "شاعر گوکنڈہ" "گوکنڈہ، کے ہیرے"، "دنی ادب کی تحریک"، "کلیات قطب شاہ"، "،

حیات میر محمد مومن" ، "داستان ادب حیدر آباد" ، "تذکرہ مخطوطات اردو" (دو جلدیں)، "طالب موهنی" ، "معنی شکن" (اس کتاب میں مغرب میں ۱۹۷۰ء تھے والی فکری

نظریہ "رد تشكیل" کو زور صاحب نے سانحہ (60) سال پہلے پیش کر دیا تھا) انھوں نے کلیات محمد قلی قطب شاہ کے تدویں بھی کی۔ ان کے مختصر افسانوں کے مجموعے "سیر

گوکنڈہ ۱۹۳۶ء" اور "گوکنڈہ کے ہیرے ۱۹۳۶ء" کے نام سے شائع ہوئے۔ "سیر گوکنڈہ" میں سولہ افسانے اور گوکنڈہ کے ہیرے میں چھ افسانے ہیں جن میں طسم

قدر بھی شامل ہے۔ ان افسانوں کے مجموعوں کے علاوہ ۱۹۵۲ء میں شہر حیدر آباد پر ایک اور کتاب "حیدر آباد فرخندہ بنیاد" کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دوسرے

حصے "روایات" میں انھوں نے اپنے انیس (۱۹) افسانوں کو شامل کیا جو "سیر گوکنڈہ" اور "گوکنڈہ کے ہیرے" سے مانوذ ہیں۔ ڈاکٹر زور کے جملہ تیس (۳۳) افسانے

ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ڈاکٹر زور کی ابتدائی شاعری کے بارے میں پروفیسر سیدہ جعفر لکھتی ہیں :

ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ڈاکٹر زور کی ابتدائی شاعری کے بارے میں پروفیسر سیدہ جعفر لکھتی ہیں

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

”ان کے اشعار میں نوجوانی کی امنگ بھی ہے اور محبت کرنے کا حوصلہ بھی۔ ان میں انفرادی اور داخلی جذبات کی ترجیحی کی گئی ہے۔ زبان میں روانی اور سلاست ہے لیکن گہرائی رفت تجھیں اور ندرت فکر کے عناصر نظر نہیں آتے۔ ڈاکٹر زور کی ابتدائی نظمیں ملکی چکلی اور عشقیہ ہیں یہ نظمیں غفوں شباب کے لطیف اور معصوم جذبات کی آئینہ“ دار ہیں۔

۱۵۶ ۱۹۹۰ء، ص:

(پروفیسر سیدہ جعفر، ڈاکٹر زور ”نئی دہلی، ساہبیہ اکادمی سنہ اشاعت

زور صاحب نے نواب رفت یار جنگ کی صاحبزادی تحریث النساء سے شادی کی۔ جواردو کی باقاعدہ پہلی صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔ ان کے تین دیوانوں میں۔۔۔ ”صبر شکر“۔۔۔ سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ ان کی چار (4) صاحبزادیاں اور پانچ (5) صاحبزادگان تھے۔ زور صاحب کی ایک بیٹی زہرہ کا انتقال ستمبر 1962 میں ہوا اور وہ خایبار شریف میں رزق خاک ہوئی۔ محی الدین زرو صاحب 1931 تک ادارہ ادبیات اردو میں اپنے آبائی مکان ”تھنات منزل“، حیدر آباد میں مقیم رہے۔ ان کی ایک بیٹی تہذیب زہرہ عربی کی عالمہ ہیں۔ 1960 میں وہ عثمانیہ یونیورسٹی میں پڑھاتی رہی۔ ان کی شادی 7 مئی 1961 کو ڈاکٹر بیچی علی احمد فاروقی سے ہوئی جو زور صاحب کے دوست پروفیسر احمد فاروقی کے صاحبزادے تھے۔ پھر وہ 1964 میں پاکستان چلے گئے تھے۔ ان کی دوسری بیٹی تو قیر زہرہ نے پاکستان میں ایک فوجی میجر عبد القیوم سے شادی کی۔ ان کی تیسری بیٹی آر کینٹیک پچر ہیں وہاب برطانوی شہری ہیں۔ زور صاحب کے تمام صاحبزادگان حیدر آباد، ہندوستان میں مقیم رہے۔ سید محی الدین قادری زور صاحب کا انتقال سری نگر، کشمیر میں 25 ستمبر 1962 کو ہوا۔

ANS 02

کلیات ولی میں تقریباً تمام اصناف سخن پر مشتمل کلام ملتا ہے لیکن جس صنف نے انھیں شہرت عام و بقائے دوام بخشی وہ غزل ہے۔ کلیات میں غزل ہی کا حصہ زیادہ بھی ہے اور وقوع بھی۔ ادب میں مختلف اصناف، مخصوص تہذیبی، سماجی اور ذہنی اثرات کے تحت قبولیت اور شہرت حاصل کرتی ہیں۔ غزل بھی خاص تہذیبی حالات میں پیدا ہوئی لیکن اس صنف نے وقت کی تبدیلی کے ساتھ خود کو بھی بدل لیا شاید اس نے سب سے زیادہ سیاسی، سماجی، تہذیبی اور انقلابات دیکھے۔ جہاں جیسی ضرورت ہوئی ویسی شکل اس نے اپنائی۔ داخلیت کا اظہار ہوا تو دل سے نکلی اور دل میں اتر گئی، خارجیت کا چلن ہوا تو سارے بندھن توڑ ڈالے۔ سماجی اور تہذیبی تبدیلی کے ساتھ وقت کے تقاضوں کو پورا کر نے کے لیے غزل اپنے دامن کو وسیع کرتی گئی مختلف مضامین اس میں جگہ پاتے گئے، فلسفیانہ مضامین کو بھی جگہ ملی، صوفیانہ خیالات بھی آئئے، آلام رووز گار اور فکر معاشبھی،

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

زندگی کا شکوہ بھی اور شادمانی کا ذکر بھی۔ موضوعات کی اس رنگار گلی اور طرزِ زادا کے اس نشیب و فراز کے باوجود غزل کا موضوع بنیادی طور پر عشق و محبت ہی رہا۔ ولی کی غزلوں میں ہمیں مندرجہ بالا نامام رنگ کہیں گہرے اور کہیں مدھم نظر آتے ہیں۔ ولی ایک بلند پایہ غزل گو شاعر تھے۔ ان کی عظمت کا اعتراف شماں ہند کے کئی بڑے شاعروں نے کیا ہے۔

• ولی دکنی کی غزلوں میں عشقِ مجازی

• ولی دکنی کے کلام میں تشبیہات و استعارات

• ولی دکنی کے کلام میں تصورِ عشق

آبرو نے کہا:

آبرو شعر ہے ترا اعجاز ہے

پر ولی کا سخن قیامت ہے

• ولی اردو کا پہلا غزل گو شاعر

ولی کے کلام میں بلا کی رلگینی اور دل کشی پائی جاتی ہے اس کی وجہ غالب یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں اس کا سیدھا تعلق ان کے احساس و تجربات سے ہوتا ہے۔ ان کے زیادہ تر اشعار ان کے دل پر بیٹھے ہوئے واقعات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عشق اور حسن کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کی شاعری کا محور حسن و عشق ہی ہیں انھوں نے اپنی شاعری میں یہ ذکر بھی کیا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے مجاز کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں:

• میر تقی میر کی غزل گوئی

• مرزا غالب کی غزل گوئی

تواضع خاکساری ہے ہماری سرفرازی ہے

حقیقی لغت کا ترجمہ عشقِ مجازی ہے

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

یا پھر ان کا کہنا ہے:

شغل بہتر ہے عشق بازی کا

کیا حقیقی و کیا مجازی ہے

ولی کی شاعری میں حسن و جمال کا موضوع بڑا ہم ہے۔ شاعر ولی سے پہلے کسی شاعر نے حسن و جمال کا بھرپور اور کامیاب تصور نہیں دیا۔ اسی لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے ولی کو جمال دوست شاعر کا لقب دیا۔ ان کی حسن پرستی میں سرمستی و ارفتگی کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی حسن پرستی میں سرمستی اور سرخوشی کارنگ نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ وہ حسن کے ایک تجربے کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ جس سے ان کی روح اور جسم میں سرمستی کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ خود کو اس تجربے کے محسوسات میں گم کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کی حسن پرستی صحت مندانہ انداز کی ہے۔ وہ حسن کو کسی ایسے تجربے کی بنیاد نہیں بناتے جو جنسی ہو اور جس سے صرف نفسانی خواہشات کا تعلق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ولی کے ہاں جنسیت و احساساتِ حسن آفتابی تصورات کا حامل محسوس ہوتے ہیں۔ وہ حسن کے احساس سے روح کی بالیدگی اور من کا سرور حاصل کرتے ہیں۔

نکل اے دربار گھر سوں کہ وقت بے چابی ہے

چن میں چل بہار ن سترن ہے ماهت ابی کا

آج گل گشت چمن کا وقت ہے اے نوبہار

بادہ گل رنگ سوں ہر بام گل لبریز ہے

زندگی اور کائنات کا حسن

ولی حسن و جمال کے شعری تجربات بیان کرتے ہوئے کسی غم یاد کھکا اظہار نہیں کرتے کیونکہ وہ جمال دوست ہیں۔ اس لیے کائنات کی ہرشے میں جمال دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر زندگی اور کائنات کے تالیک پہلوؤں کو نہیں دیکھتی۔ وہ صرف روشن پہلوؤں کا نظارہ کرتی ہے۔ جہاں خوشی، امید اور مسرت کی سدا بہار چھاؤں ہے۔ وہ حسن سے ماپوں ہو کر آئیں بھی نہیں بھرتے۔ اس لیے کہ وہ بامرا دعا شق ہیں اور محبوب کے حسن کا دیدار نہیں حاصل ہے۔ ان کی شاعری میں زندگی اور کائنات کا حسن بھی نظر آتا

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزان، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

پھول ہی پھول اور سچ سبزہ زار ہیں۔ شفاف اور ٹھنڈا پانی ہے۔ پرنے کے چھپہار ہے ہے۔ ولی حسن کے حوالے سے ایسی فضاء قائم کرتے ہیں جہاں ہر طرف ہیں، چاندنی کھلی ہوئی ہے، دور تک میدان اور راہ چاندنی میں نہایت ہوئی ہیں۔ پوری کائنات مسکراتی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے فطرت کا تمام تر حسن ولی کے بیان میں سمٹ آیا ہے۔

ان اشعار کو دیکھئے جن میں ولی زندگی کے خوبصورت مظاہر کا ذکر کرتے ہیں:

ضم تجھ دیدہ و دل میں گزر کر

ہوا ہے باغ ہے آب روائ ہے

نہ جاؤں صحن گلشن میں کہ خوش آتا نہیں مجھ کو

بغیر از ماہ روہر گز تماشہ اہتابی کا

عارف ظہیر صدیقی یو سفی: میں اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امیر خسرو غزل میں تو اولیت رکھتے ہیں لیکن ہمیں سب سے پہلے یہ طے کرنا ہو گا کہ اردو زبان کا آغاز کب ہوا۔ جہاں تک میری ناقص معلومات ہیں اس کی رو سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ اردو کا باضابطہ آغاز امیر خسرو کے زمانے میں نہیں ہوا لہذا ہم جناب محترم امیر خسرو کو اردو کا پہلا شاعر نہیں کہہ سکتے۔

احساساتِ حسن کی شاعری

ڈاکٹر سید عبد اللہ کے خیال میں ولی کی شاعری عراقی طرز کے زیادہ قریب ہے۔ اس ”عراقی“ طرز سے ان کی مراد یہ ہے کہ ولی کے ہاں معاملاتِ عشق کے بیان کی بجائے احساساتِ حسن کا بیان زیادہ ہے۔ وہ معاملاتِ عشق جن سے گفتگو محبوب سے ملاقات اور مکالمے کا پہلو نکلتا ہے وہ سب ولی کی شاعری کا حصہ ہیں۔

مندرِ گل منزلِ شبیم ہوئی

دیکھ رتبہ دیدہ عبید ار کا

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

ڈاکٹر سید عبداللہ ولی کے اس رجحان پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولی نے فکر کی گھنیاں نہیں سلبھائیں۔ انہوں نے چاند کی چاندی اور آفتاب کی حرست انگیز دھوپ، سپرنیلوں کی دلکش و دو سعیت اور صبح و شام کے دلاؤیز حسن کا تماثلی بنانا اور ان سے حواس ظاہر و باطن کو مسرور بنانا سیکھا اور سکھایا ہے۔ ولی فلسفہ زندگی کے ترجمان شارح نہ تھے۔ جمال زندگی کے وصف اور قصیدہ خواں تھے۔

تیرالب دیکھ جیوال یاد آوے

ترالکھ دیکھ کنعاں یاد آوے

ترے دونین دیکھوں جب نظر بھر

مجھے تب نرگستاں یاد آوے

ترے مکھ کی چمن کو دیکھنے سوں

مجھے فردوسِ رضوان یاد آوے

سرپاپنگاری

ولی کی شاعری میں سرپاپنگاری بدرجہ اتم موجود ہے۔ ولی نے اپنی شاعری میں جس محبوب کی خلیق کی ہے۔ وہ ان سے پہلے اور شائد بعد میں بھی اردو شاعری میں نہیں ملتا۔ انہوں نے واقعیت اور تخیل کی مدد سے اپنے محبوب کے حسن کی مدح سراہی اور قصیدہ خوانی کی ہے۔ ان کے اشعار سے محبوب کی خوبصورت تصویریں بنتی ہیں۔ اسی لیے ولی کو اردو ادب کا سب سے بڑا سرپاپنگار شاعر مانا جاتا ہے۔ ان کے لئے محبوب کے مکھ میں سب سے زیادہ دلکشی ہے۔ یہ مکھ حسن کا دریا ہے۔ اس کی جھلک سے آفتاب شرمندہ و بے تاب ہے۔ اور اس کا مکھ صفحہ رخسار، صفحہ قرآن ہے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ آنکھ اور لب، خال اور خد غرض سرپاپے جسم کی تعریف و توصیف بہت عمده پیرائے میں بیان کی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں کہ محبوب کے مختلف اعضائے جسمانی کا کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے :

وہ ناز نیں ادا میں اعجاز ہے سرپا

خوبی میں مگر رخاں سوں ممتاز ہے سرپا

علامہ اقبال اور پن یونیورسٹی کی معلومات کے لیے **AIOU Studio 9** یو ٹیوب چینل کو سب سکرائب کریں۔

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

اے ولی دل کو آب کرتی ہے

نگہ چشم سرگیں کی ادا

موح دریا کوں دیکھنے مت جا

دیکھ تو زلفِ عنبریں کی ادا

ولی کا تصویرِ محبوب

ولی کی شاعری پڑھتے ہوئے اس کے ایک محبوب کا تصور بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس کا کوئی نام بھی نہیں۔ ولی اسے مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ کبھی ”ساجن“ کہتا

ہے اور کبھی ”پیتم“ تو کبھی ”لالن“ کہا ہے۔ جبکہ کبھی ”من موہن“ کبھی ”محشرناز وادا“ کا خطاب دیتا ہے۔ کبھی ”فتنہ رنگیں ادا“ کا نام۔ ان تمام ناموں سے اس کی

والہانہ محبت اور وار فتنگی عشق کا پتہ ملتا ہے۔ اس کی صداقت محبت میں تو کچھ کچھ کلام ہی نہیں، بلکہ عقل کہتی ہے کہ اس مبالغہ حسن میں بھی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے۔

ولی کا ساجن اردو شاعری کاروایتی محبوب نہیں ہے۔ ولی کا محبوب، من موہن، شریف، خوددار، پاک نفس اور باحیا ہے۔

گرنہ نکل سیر کو وہ نوبہار

ظلم ہے فریاد ہے افسوس ہے

عجب کچھ طرف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رخ سوں

خطب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

خوبصورت تشبیہات و استعارات

تشبیہ حسن کلام کا زیور اور شاعری کی جان خیال کی جاتی ہے۔ ولی کو تشبیہات کے استعمال کے معاملے میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہے۔ ان کی شاعری کا نمایاں و صفت ان کی

خوبصورت تشبیہات ہیں جو اپنے صحیح مواد پر انگوٹھی میں گنینے کی مانند خوبصورتی کے ساتھ جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہیں:

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

مندرجہ ملک منزل شبکہ ہوتی

دیکھ رتبہ دیدہ بیدار کا

تیری یہ زلف ہے شام غریبیاں

جبیں تری مجھے صبح و طن ہے

دو آتش کیا ہے سرمہ چشم

DAG دل دیدہ سمندر ہے

ان تشبیہات میں جو کیف، حسن ندرت، جدت، دل کشی اور دل آویزی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ پھول کی کھلی ہوئی پنکھڑی کو دیدہ بیدار کہا۔ باحیا محبوب کے سینے میں راز کی

مانند ولی کے گھر آنا، زلف کا شام غریبیاں اور جبیں کا صبح و طن ہونا اور دل کے دراغ کادیدہ سمندر ہونا، ولی کی بے مثال فن کاری اور چاپک دستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ

صرف چند مثالیں ہیں جبکہ ولی کا پورے کا پورا دیوان کسی نوعیت کی نادر تشبیہات سے سجا ہوا ہے۔

سوزو گداز

غزل چوکہ معاملاتِ مہر و محبت اور وارداتِ عشق و عاشقی کی داستان ہے۔ اس راہ کے مسافر کو قدم قدم پر ہجر و فراق کی تکنیاں سہنا پڑتی ہیں۔ کتنی رکاوٹیں عبور کرنا پڑتی

ہیں۔ جی جی کر مرنا اور مر مر کر جینا پڑتا ہے۔ اس لیے ان واردات و تجربات کے بیان میں سوزو گداز اکاعصر لازمی طور پر شامل ہوتا ہے۔ ولی کی غزلوں میں سوزو گداز یقیناً

موجود ہے مگر اس کی کیفیات میر کے سوزو گداز سے مختلف ہیں۔ اسی لیے میر کے ہاں اس کے بر عکس سوزو گداز میں بھی ان کا

احساس جمال کا فرمائی گھوس ہوتا ہے۔

اک گھڑی تجھ ہجر میں اے دل رباتہ نہیں

مونس و دمساز مری آہ ہے فریاد ہے

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

نہ ہوئے اسے جگ میں ہرگز قرار

بے عشق کی بے قراری لے

زبان شفقتی اور آہنگ

ولی ایک ذہین شاعر تھے۔ جنہوں نے مر و جہ اظہار کے سانچوں کے جائزے کے بعد اپنی شعری بصیرت کی مدد سے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ اسی وقت مر و جہ زبان، اعلیٰ شاعرانہ خیالات کے اظہار کے قابل نہیں چنانچہ انہوں نے خود زبان کے سانچوں کو مرتب کیا۔ ولی کی زبان ان سے پہلے غزل گو شاعروں سے قطعی طور پر مختلف محسوس ہوتی ہے۔ ان کی شاعری پڑھتے ہوئے اس تبدیلی کا نمایاں احساس ہوتا ہے۔ یہ زبان مقامی ہندی اور فارسی الفاظ کا ایک خوبصورت آمیزہ ہے۔ اس طرح ان کی زبان میں سلاست و شفقتی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔

مت غسلے کے شعلے سوں جلتے کو جلاتی جا

ٹک مہر کے پانی سوں یہ آگ بجھاتی جا

تجھ گھر کی طرف سدر آتا ہے ولی دام

مشتاق درس کا ہے ٹک درس دکھاتی جا

چھوٹی اور لمبی بھروس کا استعمال

شاعری کے بہاؤ کو تیز کرنے اور ترجم کی لہروں کو بلند کرنے کے لئے ولی چھوٹی اور لمبی بھروس کو استعمال کرتے۔ اور غنائیت و موسيقی کا وہ جادو جگاتے ہیں کہ ان کی فن کاری پر

ایمان لانا پڑتا ہے۔

دیکھنا ہر صبح تجھر خسار کا

ہے مطالعہ مطلع انوار کا

یاد کرنا ہر گھنٹی اس پار کا

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزان، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

ہے وظیفہ مجھ دل بیمار کا

شغل بہتر ہے عشق بازی کا

کیا حقیقی و کیا مجازی کا

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رخ سوں

خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

خارجیت کا تصور

چونکہ ولی جمال دوست شاعر ہیں۔ اسلیے وہ داخلیت کے اندر ہیرے کنوں میں بند نہیں رہ سکتے بلکہ ان کے ہاں خارجیت کا بھی بھر پور نظارہ ہے۔ وہ باہر کی دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوں اور محظوظ ہوتے تھے۔ وہ صرف اپنی ذات کے اندر آنکھیں بند کر کے گم نہیں ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھیں زندگی اور کائنات کے حسن و جمال کا مسلسل مشاہدہ کرتی رہتی ہیں اور جہاں جہاں ان کے دیدہ بینا کے لئے سامانِ نظارہ ملتا ہے وہ لطف و سرور حاصل کرتے ہیں۔ ان کی خارجیت بڑی فخری ہوئی اور جاندار ہے۔ اس میں صرف خارج کے کوئی احوال ہی تلمبند نہیں کیا گیا۔ ولی کاذبی نقطہ نظر ہر موقع پر موجود رہتا ہے۔ وہ کائنات کا مطالعہ اس کے تحت کرتے ہیں۔ خارجیت کا بیان کرتے ہوئے حسن و جمال کے تصورات کو پیش پیش رکھتے ہیں۔ میر تقی میر نے ولی کی عظمت کا اعتراف اس شعر میں کیا ہے:

خوگر نہیں کچھ یونہی ہم رینختے گوئی کے

معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

ANS 03

اٹھار ہویں صدی اردو شاعری کا انتہائی زرخیز دور رہا ہے۔ اس دور میں مختلف لسانی اور تہذیبی عوامل کے تحت شہل ہند میں اردو شاعری کا رواج عام ہوا۔ رینختے گوئی کی شروعات ہوئی اور اردو شاعری کی ایک بڑی اہم تحریک ایہام گوئی کا جنم اسی عہد میں ہوا جس نے اردو شاعری کو بے حد متاثر کیا۔ اور اردو زبان نے شاعری کی حد تک فارسی زبان کی جگہ لے لی اور ایک تو انداز بان کی حیثیت سے معروف و مقبول ہوئی۔

علامہ اقبال اور پن یونیورسٹی کی معلومات کے لیے **AIOU Studio 9** یو ٹیوب چینل کو سب سکرائب کریں۔

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

صدیوں سے ہندوستان کی علمی اور ادبی زبان فارسی تھی اور ہندوستان کے شعر اور ادب اپنے فارسی زبان میں بے پناہ قدرت حاصل کر لیکن اب ایران یہاں کے شعر اکو قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے جس کی وجہ سے کئی تنازعات بھی سامنے آئے، عرفی اور فلسفی کا تنازع اسی دور کی پیداوار ہے۔ ایرانی اور ہندوستانی فارسی دانوں کی اس محاذ آرائی نے اس احساس کو اور بھی ہوادی کہ ہندوستانی فارسی زبان میں کتنی ہی مہارت حاصل کر لیں انھیں وہ پذیرائی اور اہمیت حاصل نہیں ہو سکتی جو اہل ایران کو حاصل ہے۔ اس رویے نے ہندوستان کے فارسی گوشہ اکاپنی تخلیقی صلاحیتوں کے استعمال اور فکر و خیال کے جو ہر دکھانے کے لیے ایک نئے میدان کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ سراج الدین علی خاں آرزو نے یہاں کے شعر اکور بینتہ میں شعر گوئی کی ترغیب دی اور ہر ماہ کی پندرہویں تاریخ کوان کے گھر پر ”مراختہ“ کی مجلسیں آرائتے ہوئے لگیں۔ مشاعرہ کے انداز پر ”مراختہ“ کی اصطلاح وضع کی گئی۔ اب نئی نسل کے پیشتر شعراء نے فارسی میں شعر گوئی ترک کر دی اور ان کی پوری توجہ بینتہ گوئی میں صرف ہونے لگی یہ چیزیں اتنی عام ہوئیں کہ فارسی گوشہ ابھی رواج زمانہ کے مطابق منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے بینتہ میں شاعری کرنے لگے۔

اٹھارویں صدی کے دوسرے دہے میں جب ولی کا دیوان دہلی پنجھا تو اس نے شمالی ہند کے ریختہ گوشہ ایں ایک نئی روح پھونک دی۔ ولی کا یہ دیوان بینتہ میں تھا اور فارسی روایت کے عین مطابق حروف تجھی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ شعرائے دہلی میں بھی دیوان سازی کا عمل زور پکڑنے لگا۔ اس طرح اردو شاعری ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔ شمالی ہند میں جب اردو شاعری کا پہلا دور شروع ہوا تو اس دور کے اردو شاعر فارسی کی تہذیبی اور شعری روایت کے زیر سایہ پر ورش پار ہے تھے لہذا اردو شعراء نے فارسی شعر کے مقبول رجحانات کو ہی اپنا مشعل راہ بنایا اور فارسی شاعری کی جس روایت کو پہلی بار اختیار کیا گیا وہ ”ایہام گوئی“ کی روایت تھی۔ بقول ڈاکٹر جمیل

جانبی:

”دیوان ولی نے شمالی ہند کی شاعری پر گہر اثر ڈالا اور دکن کی طویل ادبی روایت شمال کی ادبی روایت کا حصہ بن گئی۔ اٹھارویں صدی شمال و جنوب کے ادبی و تہذیبی اثرات کے ساتھ جذب ہو کر ایک نئی عالم گیر روایت کی تکمیل و تدوین کی صدی ہے۔ اردو شاعری کی پہلی ادبی تحریک یعنی ایہام گوئی بھی دیوان ولی کے زیر اثر پر وان چڑھی۔“ ایہام گوئی شمالی ہند میں اردو شاعری کی ایک بڑی تحریک تھی۔ یہ تحریک محمد شاہی عہد میں شروع ہوئی اور ولی کے دیوان کی دلی آمد کے بعد اس صنعت کو عوامی مقبولیت ملی۔ شمالی ہند میں اردو شاعری کی ترقی کا آغاز اسی تحریک سے ہوتا ہے۔

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزان، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

ایہام عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں، وہم میں ڈالنا اور، وہم میں پڑنا یا وہم میں ڈالنا۔ چونکہ اس صنعت کے استعمال سے پڑھنے والا وہم میں پڑ جاتا ہے، اس لیے اس کا نام ایہام رکھا گیا۔

ایہام کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ یہ وہ صنعت ہے جس سے شعر کے بنیادی لفظ یا لفظوں سے قریب اور بعید دونوں معنی نکلتے ہوں اور شاعر کی مراد معنی بعید سے ہو۔ نکتہ الشعرا میں میر کے الفاظ یہ ہیں:

”معنی ایہام اینست کہ لفظے کہ برو بنائے بیت بو آں دو معنی داشتہ باشد کیے قریب ویکے بعید و بعید منظور شاعر باشد و قریب متروک او“^۲

ڈاکٹر جمیل جالبی ایہام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ایہام کے معنی یہ ہیں کہ وہ لفظ ذو معنی ہو جس پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان دونوں معنی میں سے ایک قریب ہوں دوسرے بعید۔ اپنے شعر میں شاعر کی مراد معنی بعید سے ہو قریب سے نہیں۔“^۳

ایہام کئی طرح کے ہوتے ہیں اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔ اردو کے مشہور نقاد شمس الرحمن فاروقی نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

1- ایہام غالص:

یعنی جہاں ایک لفظ کے دو معنی ہوں ایک قریب کے اور ایک دور کے اور شاعر نے دور کے معنی مراد لیے ہوں۔

2- ایہام پیچیدہ:

جہاں ایک لفظ کے دو معنی یادو سے زیادہ معنی ہوں اور تمام معنی کم و بیش مغایر مطلب ہوں عام اس سے کہ شاعر نے کون سے معنی مراد لیے ہوں۔

3- ایہام مساوات:

جہاں ایک لفظ کے دو معنی ہوں دونوں برابر کے کم و بیش یا بالکل قوی ہوں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ شاعر نے کون سے معنی مراد لیے تھے۔“^۴

ایہام گوئی کی یہ صنعت عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی اور اردو سب ہی زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ تو واضح ہے کہ ہندی میں یہ صنعت سنسکرت سے آئی اور سنسکرت میں اس صنعت کو، شلیش کہا جاتا ہے اور یہی نام ہندی میں بھی ہے۔ ہندی شاعروں نے اسے کثرت سے استعمال کیا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ:

علامہ اقبال اور پن یونیورسٹی کی معلومات کے لیے **AIOU Studio 9** یو ٹیوب چینل کو سب سکرائب کریں۔

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

”شیلیش سنکرت کا لفظ ہے اور سنکرت میں اس صنعت کی کئی قسمیں ہیں۔ مگر ان میں سے خاص دو ہیں سہنگ اور انہنگ۔ سہنگ میں لفظ سالم رہتا ہے اور انہنگ میں لفظ کے کلڑے کلڑے کر کے یہ صنعت پیدا کی جاتی ہے۔ ہندی میں یہ سنکرت سے آئی ہے۔ ہندی شاعروں نے اسے کثرت سے استعمال کیا ہے۔“⁵

اردو میں ایہام کی صنعت کہاں سے آئی آیا یہ فارسی سے آئی یا ہندی سے۔ بیشتر ناقدرین اردو میں ایہام گوئی کا سراہندی دوہروں سے ہی جوڑتے ہیں۔ مولوی عبدالحق کا بھی یہی مانتا ہے کہ اردو شاعری میں ایہام گوئی کی روایت ہندی شاعری کی رہیں منت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ خیال قرین صحت معلوم ہوتا ہے کہ اردو ایہام گوئی پر زیادہ تر ہندی شاعری کا اثر ہوا اور ہندی میں یہ چیز سنکرت سے پہنچی۔“⁶

ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی کا نقطہ نظر اس سے کچھ مختلف ہے۔ وہ اٹھارہویں صدی میں فارسی گو شعر اکی دربار میں رسائی اور اس کے اثرات کو بنیاد بنا کر یہ کہتے ہیں کہ اردو شاعری میں ایہام کی صنعت فارسی سے آئی ہے۔ نور الحسن ہاشمی کی اس رائے سے قاضی عبدالودود کے علاوہ بہت سے لوگوں نے اختلاف کیا۔ ڈاکٹر محمد حسن نے بیچ کی راہ نکالتے ہوئے ایہام گو شعر اپر فارسی ہندی دونوں کے اثرات کی وکالت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

”غرض شمالی ہند میں اردو ادب کی ابتداء فارسی اور ہندی کی دوہری ادبی روایات کے سامنے میں ہوئی۔ فارسی نے اردو ادب سے بہت کچھ اخذ و اختیار کیا۔ اس کی حسن کاری لفظوں کے دروبست، اضافت و تراکیب، شاعرانہ لب و لہجہ اور ایک مخصوص افتاد طبع اور شاعری کا ایک خاص تصور لیا۔ ہندی شاعری سے بالواسطہ کئی اثرات پڑے۔“⁷ لیکن ڈاکٹر منظرا عظمی مختلف ایہام گو شعر کے کلام میں مستعمل ہندی الفاظ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر ایہام گواردو شعر اکے اشعار پر نظر کی جائے تو فارسی لب و لہجہ اور اثرات کم اور ہندی یا جاہشائی لب و لہجہ اور اثرات نسبتاً زیادہ ملتے ہیں۔ فارسی اثرات کے تحت بیشتر شعر رعایت لفظی کی نوعیت کے ہیں جب کہ ہندی اثرات کے تحت شعر بیشتر ایہامی ہیں۔“⁸

اردو شاعری میں ایہام گوئی کی شروعات امیر خسرو سے ہوتی ہے وہ سب سے پہلے شاعر ہیں جنہوں نے ایہام کو بطور صنعت اپنی فارسی شاعری میں استعمال کیا۔ پھر فارسی اور اردو کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اردو میں ایسے اشعار کہے جن میں یہ صنعت استعمال ہوتی تھی۔ ان کی کہہ مکر نیوں اور پہنیوں میں ایہام کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔

ایہام گوئی کی اس روایت کو فروغ دینے میں ویکانام کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس صنعت کا نمایاں اظہار ہمیں ولی کی شاعری میں ملتا ہے۔ اسی لیے ویکوہی ایہام کی تحریک کا نقطہ آغاز مانا جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ایہام کی عکاسی بھرپور ملتی ہے:

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

لیا ہے گھیر زلفوں نے یہ تیرے کان کا موتی

مگر یہ ہند کا لشکر لگا ہے آستارے کو

ہر شب تری زلف سے "مطول" کی بحث تھی

تیرے دہن کو دیکھ سخن، "مخصر" کیا

موئی جو آکے دیکھے تھجھ نور کا تماشا

اس کوں پہاڑ ہوئے پھر طور کا تماشا

ایہام گوئی کی صنعت کو جس نے عروج عطا کیا وہ خان آرزو ہیں۔ خان آرزو اور ان کے شاگردوں نے اس صنعت کا فراہمنی سے استعمال کیا۔ انھیں یقین تھا کہ مستقبل میں

فارسی کے بجائے ریختہ ہی اس ملک کی زبان بننے والی ہے۔ ویسے اس صنعت میں طبع آزمائی کرنے والوں کی فہرست طویل ہے البتہ اہم ایہام گو شعر امیں انعام اللہ خاں یقین،

شاہ مبارک آبرو، شاکر ناجی، مصطفیٰ خاں یک رنگ اور شاہ ظہور الدین حاتم وغیرہ کا نام کافی اہمیت کا حامل ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے نمونے کے طور پر کچھ اشعار دئے جاتے

ہیں:

ہوئے ہیں الیل زر خوابان دولت خواب غفلت میں

جنے سونا ہے یاروں فرش پر مغل کے کہہ سو جا

نیل پڑ جاتا ہے ہر بُوئی کا اے نازک بدن

تن اوپر تیرے چکن کرنا ہے گویا کارچوب

(آبرو)

نظر آتا نہیں وہ ماہ روکیوں

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

گزرتا ہے مجھے یہ چاند خالی

نہ دیتا غیر کو نزدیک آنے

اگر ہوتا وہ لڑکا دور اندر ایش

(مشقین)

ہوں قدم ق اپنے طالع کا وہ کیسا بے حجاب

مل گیا ہم سے کہ تھامدت سے گویا آشنا

(حاتم)

قوس قزح سے چرچہ کرانا تھا تجوہ بھواں کا

شاید کہ سر بھرا ہے اب پھر کر آسمان کا

ANS 04

شمیل ہند میں اردو شعر انے ایہام گوئی پر توجہ دی۔ آخری عہد مغلیہ میں مرکزی حکومت عدم استحکام کا شکار ہو گئی۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ

18 فروری 1719 سے 14 اگست 1719 تک تین بادشاہ تخت نشین ہوئے۔ (1) محمد شاہ رنگیلہ 1719 سے 1747 تک مغلیہ حکومت پر قابض رہا۔ اسی عہد میں ایہام گوئی کا

آغاز ہوا۔ محمد شاہ اخلاقی اقدار کی دھیان اڑا رہا تھا۔ اس کی شامت اعمال 13 فروری 1739 کو نادر شاہ کی صورت میں عذاب بن کر نمودار ہوئی، دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجاؤ

گئی۔ دولکھ چکیں ہزار افراد نادر شاہ کی سفا کی اور بربریت کی جھینٹ چڑھ گئے۔ (2) ان حالات میں اردو شعر انے ایہام گوئی کی روشن اپنانی۔

ایہام سے مراد وہ یا شک میں بتلا کرنا ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے ایہام کو رعایت لفظی کے ایک خاص انداز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ذو معنی الفاظ کے استعمال سے تخلیق

کار دو مفاہیم کے ذریعے قاری کو وہ میں ڈال کر اپنے فنی محاسن کے لیے داد طلب ہوتا ہے۔ میر تقی میر نے ایہام کو ریخت کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ (3) اردو شاعری میں

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزان، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

ایہام گوئی کا رجحان سے 1719 دیکھنے میں آتا ہے جو دہلی کے شعر اکے ہاں پچیس سال تک برقرار رہا (4) ایہام گوشہ کے ہاں الفاظ کو دو ہری معنویت کا حامل بنادیا جاتا ہے۔ بادی النظر یہ قاری قریب ترین معانی تک جاتا ہے مگر حقیقت میں اس سے مراد دور کے معانی ہوتے ہیں۔ اس طرح قاری قدرے تامل کے بعد دور کے مفہوم تک رسائی حاصل کر پاتا ہے مثلاً

یہی مضمون خط ہے احسن اللہ

کہ حسن خوب رویاں عارضی ہے

یہاں عارضی میں ایہام ہے۔ عارضی کے قریب ترین معانی تو ناپائیدار ہیں مگر شاعر نے اس سے رخسار مراد لیے ہیں۔

نشہ ہو جس کو محبت کا سبز رنگوں کا

عجب نہیں جو وہ مشہور سب میں بھٹکی ہو

یہاں لفظ بھٹکی میں ایہام پایا جاتا ہے۔

علم صنائع بدائع میں ایہام کو ایک صنف قرار دیا گیا ہے۔ اردو زبان میں ایہام کے فروع میں ہندی دوہوں کا گہرہ اعلیٰ عمل دخل ہے۔ سنسکرت میں ایہام کو "شمش" کہا جاتا ہے۔ اردو میں ہندی اور سنسکرت کے وسیلے سے ایہام کو فروع ملا۔ فارسی ادب میں بھی ایہام گوئی کا وجود پایا جاتا ہے مگر فارسی تخلیق کاراس میں کم دلچسپی لیتے تھے۔ محمد حسن آزاد نے اردو میں ایہام گوئی کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ہندی دوہوں کے زیر اثر اس کا آغاز ہوا (5) رام با بو سکینہ نے ایہام گوئی کے آغاز کو ولی کے عہد سے وابستہ کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے: "ولی کے معاصرین صنعت ایہام کے بہت شائق تھے۔ یہ صنعت بھاشاکی شاعری میں بہت مقبول ہوئی اور دوہوں کی جان ہے۔ قدماء کے کلام میں ایسے ذمہ دار اشعار بکثرت ہوتے ہیں۔" (6)

اردو شاعری میں ایہام گوئی پر خان آرزو اور ان کے شاگردوں نے تخلیل کی جوانیاں دکھائیں۔ مولوی عبدالحق نے اردو شاعری میں ایہام گوئی کے حرکات کے بارے میں لکھا

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

ہے۔” یہ خیال قرین صحت معلوم ہوتا ہے کہ اردو ایہام گوئی پر زیادہ تر ہندی شاعری کا اثر ہوا، اور ہندی میں یہ چیز منسکرت سے پہنچی۔

محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے کہ ایہام گوئی کا تعلق آخری عہدِ مغلیہ سے ہے۔ انہوں نے ولی کے عہد میں اس کے پروان چڑھنے کی بات کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”ولی

نے اپنے کلام میں ایہام اور الفاظ ذو معنین سے اتنا کام نہیں لیا۔ خدا جانے ان کے قریب العہد بزرگوں کو پھر اس قدر شوق اس کا کیوں کر ہو گیا؟ شاید دو ہوں کا اندر از جو

ہندوستان کی زبان کا سبزہ خود رو تھا، اس نے اپنارنگ جمایا۔

یہ بات قرین قیاس ہے کہ دو ہوں نے ایہام گوئی کی راہ ہموار کی مثلاً یہ دوہما لاحظہ کریں

رُنگی کونارِ گنی کہیں بننے دو دھ کو کھویا

چلتی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیر ارویا

تخلیقی اظہار کے متعدد اکنات ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا تخلیق کار کا صواب دیدی اختیار ہوتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی تخلیق کار یہ طے کر لے کہ وہ قاری

کو سرابوں کی بھینست چڑھا کر اپنی فنی مہارت کی داد لے گا تو یہ ایک خیال خام ہے۔ ایسے ادیب ذو معنی الفاظ اور زبان و بیان کی بازی گری سے اپنا مانی الغمیر کیسے پیش کر سکتے ہیں

؟ ایہام کے متعلق یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ایہام گو شعر اپنے کلام میں ایسے الفاظ کو استعمال کرتے ہوں جو بہ طور گنجینہ، معانی کے طسلم کی صورت پیدا کر دیتے ہیں

اور شاعر کو یہ گمان گزرتا ہے کہ قطرے میں دجلہ اور جزو میں کل کا منظر دکھانے پر دسترس رکھتا ہے۔ تخلیق کار کی شخصیت میں داخلی پہلو عام طور پر غالب رہتا ہے۔ اس کی

شدت سے مغلوب ہو کر وہ قاری کو حیرت زدہ کرنے کے لیے نئے طریقے دریافت کرنے کی ترکیبیں تلاش کرتا ہے۔ ایہام اسی سوچ کو تخلیقی اظہار کی مثال بناتا ہے

- ایہام گو شاعر تخلیق فن کے لمحوں میں ایسا پیرایہ اظہار اپناتا ہے کہ پورے شعر یا اس کے کسی ایک جزو سے دو ایسے مغایم پیدا ہوں جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں

- اس مقصد کے لیے ذو معنی الفاظ کے استعمال میں شعرانے گہری دلچسپی لی ہے۔ جہاں تک معانی کا تعلق ہے ان میں سے ایک معنی تو قریب کا ہوتا ہے جب کہ دوسرا معنی بعد

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

ہے۔ دراصل شاعر کا مدد عایہ ہوتا ہے کہ بعید کے معنی پر توجہ مرکوز کی جائے اور قاری و ہم کی صورت میں قریب کے معنی میں الجھ کر رہ جائے۔ شاعر ذو معنی الفاظ کو اپنے تخلیقی اظہار کی اساس بنانے کا منائے بداعن کی اس صنف کو اپنی شاعری میں استعمال کر کے اپنی جدت پرداد طلب دکھائی دیتا ہے۔ اس سے یہ انداز لگایا جاسکتا ہے کہ رعایت لفظی کی ایسی صورت میں پیدا کر کے شعر انے کس طرح مقاہیم کو بدلتے میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیا۔ اردو شاعری کے کلائیک مہمد میں یہ رسم چلنگی تھی کہ حقیقت کو خرافات میں نہیں کرنا ہی فنی مہارت کی دلیل ہے۔ داخلی حقائق کو خارجی فراغلوں میں پیش کر پیش کرنا قادر الکلام ہونے کا ثبوت ہے۔ ایہام بعض وقت الفاظ کی املاء سے بھی پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ تخلیق کار جنھوں نے ایہام گوئی پر بھرپور توجہ دی ان کے نام حسب ذیل ہیں: خان آرزو، شاہ مبارک آبرو، ٹیک چند بہار، حسن علی شوق، شہاب الدین ثاقب، رائے آنند رام مخلص، میر زین العابدین آشنا، شرف الدین مضمون، شاہ حاتم، محمد شاہ کرناجی، غلام مصطفیٰ یک رنگ، محمد احسن احسن، میر مکھن پاک باز، محمد اشرف اشرف، ولی اللہ اشتیاق، دلاؤر خان بیرنگ، شرف الدین علی خان پیام، سید حاتم علی خان حاتم، شاہ فتح محمد دل، میاں فضل علی دانا، میر سعادت علی خاں د سعادت، میر سجاد اکبر آبادی، محمد عارف عارف، عبد الغنی قبول، شاہ کاکل، شاہ مزل، عبدالواہب یک رو اور حیدر شاہ۔

کلام میں ذو معنی الفاظ کا استعمال کرنا اس عہد کے شعر انے بظاہر ایک جدت کا پہلو تلاش کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کلام کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دور از کار مفہوم اور باتوں کی بے لط甫ی ضلع جگت کی بے لط甫ی سے کسی طور بھی کم نہیں (۹) ولی کے سفر دہلی کے بارے میں بھی درست معلومات پر توجہ نہیں دی جاتی۔ ولی کے بارے میں یہ

تاثر ملتا ہے کہ انھوں نے کہتا تھا

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین

جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

:

یہ شعر ولی کا نہیں بلکہ شرف الدین مضمون کا ہے۔ صحیح شعر اس طرح سے ہے

اس گدا کا دل لیا دلی نے چھین

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

(10)

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

جاکہو کوئی محمد شاہ سوون

ولی کے اشعار میں ایہام کا انداز سادگی، سلاست اور اثر آفرینی کا حامل ہے

خودی سے اولادِ خالی ہوا اے دل

اگر شمع روشن کی لگن ہے

موسیٰ جو آکے دیکھے تجھ نور کا تماشا

اس کو پہاڑ ہو دے پھر طور کا تماشا

شیخ شرف الدین مضمون (م) 1735 نے ایہام گوئی کے سلسلے میں اپنے اہم کردار کا ذکر کیا ہے۔

ہوا ہے جگ میں مضمون شہرہ اپنا

طرح ایہام کی جب سیں نکالی

شاعر مبارک آبرنے ایہام گوئی پر توجہ دی اور اسے اپنے اسلوب کی اساس بنایا۔ آبرو کے اسلوب میں محض ایہام ہی نہیں بلکہ بسا اوقات وہ سادگی، سلاست، بے ساختگی اور درد مندی کو بھی اپنے تخیل کی اساس بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ ایہام پر اختصار نہ کرتے تو ان کا شاعر انہ مقام اس سے کہیں بلند ہوتا۔ ایہام میں ان کی متذل شاعری نے ان کے اسلوب کو شدید ضعف پہنچایا۔ شیخ شرف الدین مضمون نے ایہام گوئی کو بھر اسلوب اپنایا۔ ان کا ثمار ایہام گوئی کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایہام کی فراوانی ہے۔ اس کے باوجود اس صنعت کے استعمال کی کسی شعوری کو شش یا کھینچ تان کا گمان نہیں گزرتا۔ ایہام گوئی ان کا اسلوب شعرو و سخن رہا لیکن اس میں وہ اس

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

سادگی، سلاست، بے ساختگی اور بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان کے کمال فن کو تسلیم کرنا پڑتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام کیفیت نوائے سروش کی ایک صورت بن کر شاعر کے دل میں سما گئی۔

ANS 05

میر تقی میر کی شاعری کا اسلوب

میر تقی میر غزل کے مسلم الثبوت استاد ہیں شعراء نے میر کے دیوان کی تعریف یہ کہ کہ کر کی ہے کہ ان کا دیوان "گلشنِ کشمیر" سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح تذکرہ نویسون نے بھی ان کی قادر الکلامی کا اعتراف کیا:

قامِ چاند پوری: فروغِ محفلِ سخن پر دازاں، جامع آیات سخنِ دانی

گردیزی: سخن سخن بے نظر

میر حسن: شاعر دل پذیر

محضی: در فنِ شعر رینجتہ مرد صاحبِ کمال

شیفۃ: سخن و ریعالی مقام

میر تقی میر کی غزل گوئی

غالب ہی کی طرح دوسرے شعراء نے بھی میر کے باکمال شاعر ہونے کی توثیق کی ہے

ناتھ:

شبہہ ناتھ نہیں کچھ میر کی استادی کا

خود ہی وہ بے ہبہ ہیں جو معتقد (پیر و) میر نہیں

حرست:

علامہ اقبال اور پنیونیورسٹی کی معلومات کے لیے **AIOU Studio 9** یو ٹیوب چینل کو سب سکراپب کریں۔

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسٹر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

شعر میرے بھی ہیں پر درد و لیکن حسرت

میر کا شیوه گفتار کہاں سے لاوں

میر ترقی میر کے حالات زندگی

اس میں شک نہیں کہ میر کا "شیوه گفتار" منفرد ہے۔ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ "ان کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہو گا کہ زبان کی سلاست و فصاحت کے ساتھ پیرا یہ بیان کس قدر دل کش نرالا اور پرتاثیر ہے"۔

اہم بات یہ ہے کہ ان کے اشعار ایک فطری بہاؤ رکھتے ہیں۔ یہ شعوری آرائش، صنعت کاری اور تصنیع سے پاک ہیں۔ ان کے بیہاں شعری اظہار کسی ارادی منصوبہ بنزی کا مر ہون منت نہیں۔ وہ بعض لکھنوی شعر امثال نامخ کی طرح شعر کو الفاظ سے بو جھل نہیں بناتے۔ وہ آمد کے شاعر ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے باطن سے اشعار یوں برآمد ہوتے ہیں جیسے کسی پہاڑ کے دامن سے کوئی چشمہ پھوٹتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شعوری طور پر کسی موضوع یا مضمون مثلاً تاریخی حالات، ذاتی واردات، عشق یا تصوف کو ہاتھ نہیں لگاتے، وہ ان کو شعری عمل سے دور کھٹے ہیں اور شعری عمل کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ میر تخلیق کے لاشعوری عمل کو روار کھٹے ہیں، تخلیقی عمل میں وہ خارجی اور داخلی دنیا میں فرق نہیں کرتے، وہ شعور اور لاشعور کی حدود کو پار کر جاتے ہیں اور شخصیت کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

دیکھو تو کس ادا سے کہتے ہیں میر شعر

(چک) ذر (موتی) سے ہزار چند ہے ان کے سخن میں آب

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

میر کے کلام کی سادگی

Meer Taqi Meer shayari

میر نے جو زبان استعمال کی ہے وہ روایت نہیں بلکہ تازہ کار ہے۔ یہ فارسی سے استفادے کو ظاہر توکرتی ہے مگر اس سے مغلوب نہیں۔ ان کی زبان ہندوستانی سر زمین کی بوباس رکھتی ہے۔ یہ نرمی سادگی اور مٹھاں رکھتی ہے۔ ان کی شعری زبان آنے والے کئی شعرا کے لیے سرچشمہ فیض کا درجہ رکھتی ہے۔ موجودہ دور میں عظمت اللہ خان، حفیظ جالندھری، میر احمدی، فراق، اور ناصر کا ظمی خاص طور پر میر کی زبان سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ ناصر کا ظمی ابن انشا اور خلیل الرحمن اعظمی نے تoba قاعدہ میر کے شعری آہنگ اور اسلوب کے احیا کی طرف دھیان دیا۔ میر الفاظ کے پار کھیں وہ فرسودہ فارسی الفاظ کے بجائے ایسے الفاظ برتنے ہیں جو اصلی اور فطری ہیں، انہوں نے خود کہا ہے:

میر تقیٰ میر کے اشعار کی تشریح

شعر میرے ہیں سب خواص پسند

پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

میر عوام سے گفتگو کرنے کے باوجود خواص سے رابطہ رکھتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون سا لفظ کہاں استعمال کرنا ہے اولفظ کس طرح شعری تجربے کی پہلو داری پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہ نادیدہ امکانات کو بروئے کار لانے کا عمل ہے۔ میر کا کمال یہ ہے کہو ہے سادہ الفاظ کو پیکروں میں ڈھالتے ہیں اور قاری حسیاتی پیکروں سے متاثر ہوتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ انہوں نے فارسی تراکیب سے بھی خاصاً کام لیا ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے بھی انکو سادہ بیانیمیں ہمکرتے ہیں

چند فارسی تراکیب یہ ہیں:

میر تقیٰ میر کی صوفیانہ شاعری

ہنگامہ گرم کن، دل ناصبور، شور نشور، چمن زادِ طیر، جگر چاکی اور سونتہ جاں وغیرہ

علامہ اقبال اور پن یونیورسٹی کی معلومات کے لیے **AIOU Studio 9** یو ٹیوب چینل کو سب سکرائب کریں۔

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

چون کہ میر شعر گوئی کے لیے زبان کو ایک نئے قالب میں ڈھالنے کی اہمیت سے واقف ہیں اس لیے وہ نئی ترکیبیں بھی وضع کرتے ہیں مثلاً قیامت شریر، دنیادنیا تہمت، صحر احمر او حشت، غبار دل، ریگ رواں، شور بھاراں، غزالان شہری وغیرہ۔

میر کا فنکارانہ شعور پختہ ہے وہ اشعار میں ابہام کو رہا دیتے ہیں شاعری برہنہ گوئی نہیں

بقول علامہ اقبال: برہنہ حرف گفتن کمال گوئی ست

میر "کمال گوئی" رکھتے ہیں، وہ عام فہم الفاظ کو بھی تخلیقی طور پر استعمال کرتے ہیں اور شعر کا تجربہ جوابات میں مستور رہتا ہے۔ قاری شعر کی روح تک پہنچنے کے لیے ابہام کے پردوں کو اٹھاتے ہیں اور تھہ در تھہ معانی سے فیض اٹھاتے ہیں مثلاً

صحیح تک شمع سر کو دھنی رہی

کیا پنگلے نے انتماں کیا

میر کا تصویر حسن و عشق

شعر کی مہم پہلو داری میر کے اشعار کو عالمی بناتی ہے۔ اس سے شعر روایتی معنی کا پابند نہیں رہتا بلکہ مختلف معانی رکھتا ہے۔ میر نے خود کہا ہے:

میر صاحب کا ہر سخن ہے رمز

بے حقیقت بے شیخ کیا جانے

میر کو عالمی اشعار وقت، عمر، عصر، آشوب، آگی، جدائی اور اجاداں پن کے معنی کا اشارہ یہ ہیں۔

0300-5371884, 0344-5515779, 0345-7308411

سمسر: خزاں، 2021ء

کورس: اردو ادب کی تاریخ (6478)

بہر حال میر کا شعری اسلوب منفرد اور جدا گانہ ہے کہتے ہیں:

نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے

یہی وجہ ہے کہ ان کی آواز دور سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ ایک شعری کردار کی آواز ہے جو حساس، دردمند اور مخلص شخصیت رکھتی ہے۔ یہ آواز پر سوز اور مدھم ہے، یہ لمحے کے انتار چڑھاؤ آہنگ، سر گوشی کا تخاطب اور بھریں طویل ہوں یا مختصر، متر نمودیف و قافیہ کے ساتھ خاص دلکشی رکھتی ہے: